جو مسئلہ سمجھ میں نہ آئے وہ کسی مستند و ماہر مفتی سے معلوم کرلیں۔۔ (ابوزبیر)

آپ کے مسائل اور اس کے جوابات (14)

از مفتی محمد صاحب

مضامین:

- ☆ کیا مکان، دکان کا کرایہ لینا سود ہے؟
- ☆ شمس الدین عظیمی کے نظریات اور اس سے بیعت ہونے کا حکم
- ☆ بیوی کو خرچ کتنا دینا لازم ہے؟
- ☆ یوفون کمپنی کی اسکیم کا حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا مکان، دکان کا کرایہ لینا سود ہے؟

سوال: گجرات کے ایک عالم دین فرماتے تھے کہ ”مکان، دکان جائیداد کا ماہوار کرایہ لینا حرام ہے۔ سود حاصل کرنا اور کرایہ لینا دونوں برابر ہیں کیونکہ بڑے بڑے عبادت گزار لوگ جبراً، قصداً بار بار کرایہ بڑھاتے رہتے ہیں، کرایہ داروں کی بجلی چراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مجبور ہیں ہمارا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے، کوئی اور کمانے والا نہیں ہے، ہمارا کرایہ بڑھا دو۔ کیا اسلام یہود و نصاریٰ کی طرح سود کھانے اور کرایہ لینے کی اجازت دیتا ہے؟ تفصیل سے جواب دیں کہ اسلام میں کرایہ داری کا معاملہ جائز اور حلال ہے یا حرام و ناجائز؟ (محمد صغیر مصطفوی۔ گڑھی شاہو، لاہور)

جواب: مکان، دکان وغیرہ جائیداد کو کرایہ پر لینا دینا جائز ہے، ہمارے علم کی حد تک اس کو ائمہ امت میں سے کسی نے ناجائز نہیں کہا، اس لیے کرایہ داری کے عقد کو ناجائز و حرام کہنا اُمت کے اجماعی موقف کے خلاف اور سراسر غلط ہے۔ باقی اجارہ کو سود قرار دینا درست نہیں، سود ایسی بلاعوض زیادتی کو کہتے ہیں جو یا تو قرض پر لی جائے یا کیلی وزنی چیزوں کی آپس میں بیع کرتے وقت لی جائے اور مکان، دکان کے اجارہ میں کرایہ دار، گھر، دکان کی منفعت حاصل کرتا ہے اور کرایہ اُسی منفعت کا عوض ہوتا ہے، اس لیے کرایہ کو بلا عوض زیادتی کہہ کر سود کے زُمرہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ بات ٹھیک ہے کہ مالک مکان کا حد سے زیادہ کرایہ پر کرایہ دار کو مجبور کرنا ظلم ہے، جس کی شریعت میں سخت مذمت آئی ہے۔

شمس الدین عظیمی کے نظریات اور اس سے بیعت ہونے کا حکم:

سوال: شمس الدین عظیمی سے بیعت ہونا کیسا ہے اور ان کے پروگراموں میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ یہ لوگ جس طرح مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں اسی طرح غیر مسلم ہندو، قادیانی وغیرہ کو دعوت دیتے ہیں۔ ان کا

یہ کہنا ہے کہ یہ کافر نہیں ہیں، چنانچہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ تمام نوعِ انسانی کو اپنی برادری سمجھنا چاہیے ......نوعِ انسانی میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب آپس میں آدم کے ناطے خالق کائنات کے تخلیقی راز و نیاز ہیں، آپس میں بھائی بہن ہیں، نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو۔ (شاکر ۔ سانگھڑ)

جواب: دین مکمل ضابطہ حیات ہے، زندگی کے ہر شعبہ اور ہر موقع کے لیے ایک ضابطۂ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے جو علومِ قرآن و سنت کی صورت میں مکمل محفوظ و موجود ہے۔ اس ضابطہ کے مطابق زندگی گزارنا دین ہے اور یہی نجات کا ذریعہ ہے، اس کی بجائے کسی اور طریقہ یا عمل میں نجات نہیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ ''اسلام کے سوا کوئی اور دین اللہ کے ہاں ہرگز مقبول نہیں۔''

تمام عقائد اور ظاہری اعمال و اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہی اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کی محبت اور اس تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس حقیقت کو بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

''اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو، تب اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔''

سو حق و باطل کو پرکھنے کی کسوٹی یہی ہے، اس بنیاد پر عظیمی صاحب کی تحریرات دین کا معتدبہ علم رکھنے والا کوئی شخص بھی بنظر انصاف دیکھے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ شخص قرآن و سنت کے علوم، دین کی اصل روح، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ کی بعثت کے بنیادی مقصد سے یا تو بالکل بے بہرہ ہے یا قصداً ان سب کے خلاف الحاد کی راہ میں چلا جا رہا ہے۔

تصوف و روحانیت کے نام پر موصوف جس چیز کا پرچار کر رہے ہیں اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ محض

ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے کوئی مراقبہ، کوئی عمل یا ریاضت کرنا اسلامی تصوف نہیں ہے، نہ ہی اسلام اس کی تعلیم دیتا ہے۔ دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کا نام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سراسر عمل سے عبارت ہے، وہ تمام اعمال جن کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اگر کسی کی زندگی میں نہیں تو خواہ وہ نفس کشی کے لیے کتنے ہی مجاہدے اور ریاضتیں کیوں نہ کر رہا ہو، وہ بے حس و حرکت ہو کر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے تصور میں ڈوبا ہوا اور اسی کی طرف یکسو کیوں نہ ہو، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والا اور شریعت کی اصطلاح میں ولی اللہ نہیں کہلائے گا۔ ورنہ تو ہر سادھو، راہب اور نفس کشی کے لیے مجاہدے کرنے والا شخص ولی اللہ کہا جانا چاہیے، خواہ اس کا کسی بھی دین و دھرم سے تعلق ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ نظریہ الحاد و بے دینی کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن مجید میں انتہائی تاکیدی انداز میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ إن أولیائی إلا المتقون ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے اولیاء صرف وہ لوگ ہیں جو تقویٰ والے ہیں۔ اب تقویٰ کیا ہے اور متقی کسے کہتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ زندگی جس شخص میں رچا بسا ہوگا وہ متقی ہوگا اور جس کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی کوئی جھلک نہ ہو، نہ وہ متقی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ولی ہو سکتا ہے۔

عظیمی اسلامی علوم سے ناواقف ہونے کے ساتھ ساتھ پیرا سائیکولوجی، نفسیات اور نام نہاد صوفیاء کی بعض مبہم شطحیات کو اپنے زعم میں تصوف و روحانیت سمجھتا ہے، اس کے علاوہ اس کی تعبیر میں الجھاؤ، مضمون کلام بے ربط اور بے موقع استدلالات جگہ جگہ پائے جاتے ہیں، جس سے موصوف کا علمی مبلغ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔

ہم یہاں اختصار کے ساتھ چند اقتباس ان کی تحریریوں کے پیش کر رہے ہیں جو اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہیں کہ اعتماد و اعتبار کے ترازو میں جناب کا کیا وزن ہے؟

(1) حضرت آدم علیہ السلام کی توہین:

’’اللہ کریم نے انہیں تسخیر کائنات سے متعلق جو خزانے عطا فرمائے تھے ان خزانوں کے اوپر ایک دبیز پردہ ڈال کر آنکھیں موندلیں، اتنے بڑے ظلم، اتنی بڑی سرکشی، اتنی بڑی نافرمانی کے باوجود اللہ نے رحم فرمایا اور کہا کہ اپنا وطن جنت تم اب بھی حاصل کر سکتے ہو بشرطیکہ تم اپنے اوپر ساختہ نافرمانی کا پردہ ہٹا دو۔‘‘

(پیراسائیکلوجی: صفحہ 65)

ان الفاظ میں حضرت آدم علیہ السلام کی جو توہین کی گئی ہے، ہر ذی شعور اس کی سنگینی کا اندازہ کرسکتا ہے۔

(2) دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے اور اس سے ہم کلام ہونے کا دعویٰ:

’’مذہبی دانشور کہتے ہیں کہ آدمی اللہ کی آواز نہیں سن سکتا، ایک بڑا گروہ ایسا بھی ہے جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں دنیا میں بڑی آبادی اللہ سے ہم کلام نہیں ہوسکی، فقراء کا یہ کہنا ہے کہ بندہ اللہ کا عرفان حاصل کر کے اللہ سے ہم کلام ہوسکتا ہے یا کوئی بندہ اگر اللہ کو دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔‘‘ (ایضاً: صفحہ 51)

اُمت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ کی رؤیت اس دنیا میں واقع نہیں ہوسکتی، اور یہ اجماعی عقیدہ ﴿لا تدرکه الابصار﴾ اور ﴿لن ترانی﴾ وغیرہ قرآن پاک کی قطعی نصوص سے ثابت ہے، مگر دیکھئے عظیمی صاحب اس کو مذہبی دانشوروں کا قول قرار دے کر اس کا انکار کر رہے ہیں اور یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اگر بندہ اللہ کو دیکھنا چاہے تو اس دنیا میں بھی دیکھ سکتا ہے گویا عظیمی صاحب اسے بندہ کا اختیاری امر سمجھتے ہیں اور اس کے اس دنیا میں وقوع کے قائل ہیں جو نصوص کے سراسر خلاف ہے۔

(3) قرآنی آیات کی غلط تشریح:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ کتاب نہیں ہے شک اس میں، یہ کتاب ان لوگوں کو ہدایت دیتی ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں ...... ان آیات کی روحانی تشریح یہ ہے کہ قرآن میں کسی قسم کا شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہ کتاب ایسے لوگوں کو ہدایت بخشی ہے، جو غیب کی دنیا میں اور اللہ کے

معاملات میں شک نہیں کرتے، اورغیب پر اس لیے یقین رکھتے ہیں کہ غیب ان کے مشاہدے میں ہے، اس بات کو دو لفظوں میں اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ قرآن ان لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے جولوگ غیب کی دنیا سے متعارف ہیں، یعنی غیب ان کے مشاہدے میں ہے...... ہزار ہا مفسرین نے اپنی ذہنی کاوشوں سے تفاسیر لکھی ہیں ...... لیکن لوحِ محفوظ کے قانون کے مطابق جب تک غیب مشاہدے میں نہ ہوتو قرآن پاک کی تعلیمات کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ (شرح لوح وقلم: صفحہ 162، 163)

جناب کا یہ فرمودہ سورۂ بقرہ کی پہلی آیت کا ترجمہ وروحانی تفسیر ہے، یہ روحانی تفسیر کے نام پر تحریف ہے، اس لیے کہ قرآن کے واضح الفاظ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور جناب یہ کہہ رہے ہیں کہ ''قرآن ان لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے غیب جن کے مشاہدے میں ہے'' ظاہر یہ ہے کہ قصداً یہ تحریف کی گئی ہے تاکہ معتقدین ومریدین یہ یقین کریں کہ مرشد کو غیب کا مشاہدہ ہے، اس لیے قرآن سے صحیح ہدایت انہی کو حاصل ہوئی ہے۔ اگر قرآن کے الفاظ کا حقیقی اور اصلی معنی کیا جاتا تو سوال پیدا ہوتا کہ تقویٰ کیا ہے؟ اور پیرومرشد کا تقویٰ میں کیا مقام ہے؟ پھر تو تقدس کا طلسم انڈے کے چھلکے کی طرح ٹوٹ جاتا، پھر مریدوں کو دھوکے میں رکھنا ممکن نہ ہوتا، اس لیے جان کر ایسا غلط معنی نکالا گیا تاکہ قرآن کے اصل تقاضے کی طرف کسی کا ذہن جائے ہی نہیں۔ چنانچہ آگے اپنے خودساختہ لوح محفوظ کے قانون کے حوالے سے اپنے اسی دجل کو مزید پختہ کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر یہ بات کہ ''لوح محفوظ کا قانون یہ ہے'' اس طرح بیان فرما رہے ہیں کہ جیسے آنجناب نے ہی لوحِ محفوظ کو مدون فرمایا ہو؟ اس دنیا میں لوحِ محفوظ کے قوانین کا حوالہ دینے کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ سادہ لوح معتقدین کو باور کرایا جائے کہ حضرت کو شریعت کے احکام کی پیروی کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت تو براہِ راست لوحِ محفوظ کے قانون سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہم کلام بھی ہوتے ہیں، ملاقاتیں بھی ہوتی ہوں گی العیاذ باللہ تعالیٰ من ہذا الإلحاد والزندقۃ.

یادرکھو شریعت کے احکام سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مستثنٰی نہیں قرار پائے اور نہ ہی کبھی لوحِ محفوظ کے کسی فرضی قانون کا انہوں نے حوالہ دیا، وہ وحی کا حوالہ دیتے رہے جو یا تو جلی ہوتی تھی جو قرآن کی صورت میں محفوظ ہے یا خفی ہوتی تھی جو حدیث کی صورت میں محفوظ ہے،اب ہر مسلمان کے لیے بس یہی قانون ہے،اس کے علاوہ کسی نام سے کوئی قانون الٰہی نہیں ہوسکتا، جو اس کا دعوٰی کرے گا وہ کذاب ہے، دجال ہے۔

(4) ایمان وصلوٰۃ کے معنی میں تحریف:

اسی کتاب ''شرح لوح وقلم'' میں موصوف سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات کے ترجمے میں اس طرح تحریف فرماتے ہیں: ''اور وہ لوگ ایمان لائے یعنی مشاہدہ کیا۔''

حالانکہ ایمان بالغیب کا معنی ہے بغیر دیکھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرنا۔

آگے لکھا ہے:''صلوٰۃ کا ترجمہ اللہ سے رابطہ قائم کرنا ہے، قائم کرتے ہیں صلوٰۃ یعنی یکسو ہوکر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔'' (صفحہ:163،164)

دیکھئے ﴿یقیمون الصلوٰۃ﴾ جس کا معنی نماز قائم کرنا ہے،موصوف نے کس دیدہ دلیری سے اس میں واضح تحریف کرکے اس کا معنی ''ربط قائم کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہونا'' کیا ہے۔

نماز جیسی اہم عبادت جو دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے،جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، نیز اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے،اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی اپنے عمل سے جو تفسیر فرمائی، چودہ سو سال سے مسلمانوں میں متواتر طریقہ سے نماز کی وہی تفسیر چلی آرہی ہے مگر جعلی روحانیت کے اس نام نہاد علمبردار نے بیک جنبش قلم اس تفسیر کو رد کرتے ہوئے اپنی طرف سے اقامت صلوٰۃ کا وہ معنی کیا جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ ہی کوئی مسلمان اس کا قائل ہے۔ یہ کھلم کھلا الحاد اور گمراہی

ہے جس میں کسی تاویل وتوجیہ کی گنجائش نہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض جہالت نہیں ہے بلکہ نظریہ ہے کہ نماز اور دیگر اسلامی اعمال کوئی چیز نہیں، اصل اللہ کی طرف یکسو ہونا ہے اسی لیے مساجد کی بجائے مراقبہ ہالوں کا قیام اور نماز وعبادات کی بجائے مراقبے اور وظائف کی تلقین کرتا ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے تو پھر یہ سب کچھ اسلام نہیں ہے، اس کے سوا کوئی اور دھرم ہے، اس لیے ایسے شخص سے دور رہنا ہر مسلمان پر فرض ولازم ہے۔

بیوی کو خرچ کتنا دینا لازم ہے؟

سوال: اس دور میں آدمی کو اپنے گھر کا خرچ چلانا مشکل ہو رہا ہے اور ساتھ ہی فیشن کا دور دورہ ہے، عورتوں کے تو فیشن ہی پورے نہیں ہوتے تو شریعتِ محمدیہ میاں بیوی کو اعتدال کی کیا تعلیم دیتی ہے شوہر پر سال میں کتنے جوڑے کپڑوں کے دلانا ضروری ہے اور وہ چیزیں جو عورت خود استعمال کرتی ہے وہ کس کے ذمہ ہیں اور بیوی کو جیب خرچ دینا ضروری ہے تو کتنا دینا ضروری ہے؟ جبکہ بیوی کی اپنی بھی تھوڑی بہت آمدنی ہو؟ اسی طرح بیوی کو میکے لے جانا لے آنا یہ خرچ کس کے ذمے ہیں، جبکہ شوہر کی آمدنی چار پانچ ہزار ہے؟ (شاکر۔ سانگھڑ)

جواب: شوہر پر بیوی کو اتنا نفقہ دینا ضروری ہے جس سے عرف کے مطابق اس کا گزارا ہو جائے اور گزارے کی سب لوگوں کے حق میں کوئی ایک مقدار شرعاً مقرر نہیں، البتہ اتنی اُصولی بات قرآن وحدیث اور فقہاءِ کرام کی نصوص سے ثابت ہے کہ نفقہ کی واجب مقدار طے کرنے میں میاں بیوی کی مالی حالت اور عرف دو چیزوں کا اعتبار ہے، لہٰذا میاں بیوی دونوں کے مالدار ہونے کی صورت میں عرف کے مطابق مالداروں والا نفقہ اور دونوں کے غریب ہونے کی صورت میں غریبوں والا نفقہ اور ایک کے غریب ہونے کی صورت میں عرف کے مطابق درمیانے درجہ کا نفقہ واجب ہے، البتہ اس تیسری صورت میں اگر شوہر مالدار ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ بیوی کو اپنی حالت کے مطابق مالداروں والا نفقہ دے۔

اس تفصیل کے مطابق میاں بیوی کوئی مقدار باہمی رضا مندی سے طے کر لیں، اگر کسی مقدار پر اُن کا اتفاق نہ ہوسکے تو ایسی صورت میں شرعی قاضی کو اس کا فیصلہ کرنے کا حکم ہے، آج کل شرعی قاضی میسر نہ ہونے کی وجہ سے دو ایسے شخصوں سے اس کا فیصلہ کروایا جاسکتا ہے جو میاں بیوی کے حالات جانتے ہوں اوران پر میاں بیوی کو اعتماد بھی ہو۔

البحر الرائق: (٤/ ١٩٠)

ولم يذكر الْمُصَنِّفُ تَقْدِيرًا لِلنَّفَقَةِ لِمَا فى الذَّخِيرَةِ وَغَيْرِهَا من أَنَّهُ ليس فى النَّفَقَةِ عِنْدَنَا تَقْدِيرٌ لَازِمٌ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ من النَّفَقَةِ الْكِفَايَةُ وَذَلِكَ مِمَّا يَخْتَلِفُ فيه طِبَاعُ الناس وَأَحْوَالُهُمْ وَيَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَوْقَاتِ أَيْضًا فَفِى التَّقْدِيرِ بِمِقْدَارٍ إضْرَارٌ بِأَحَدِهِمَا ...... وفى فَتْحِ الْقَدِيرِ وَالْحَقُّ الرُّجُوعُ فى ذلك إلَى عُرْفِهِمْ ا هـ.

فَصَارَ الْحَاصِلُ أَنَّهُ يَنْبَغِى لِلْقَاضِى إذَا أَرَادَ فَرْضَ النَّفَقَةِ أَنْ يَنْظُرَ فى سِعْرِ الْبَلَدِ وَيَنْظُرَ ما يَكْفِيهَا بِحَسَبِ عُرْفِ تِلْكَ الْبَلْدَةِ وَيُقَوِّمُ الْأَصْنَافَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ يُقَدِّرُ بالدراهم "بالدرهم" كما فى الْمُحِيطِ أما بِاعْتِبَارِ حَالِهِ أو بِاعْتِبَارِ حَالِهِمَا وَاخْتَارَ الْمُصَنِّفُ الثَّانِىَ وهو قَوْلُ الْخَصَّافِ وفى الْهِدَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وفى الْوَلْوَالِجِيَّةِ وهو الصَّحِيحُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ اعْتِبَارُ حَالِهِ فَقَطْ وهو قَوْلُ الْكَرْخِيِّ وَبِهِ قال جَمْعٌ كَثِيرٌ من الْمَشَايِخِ وَنَصَّ عليه مُحَمَّدٌ وقال فى التُّحْفَةِ وَالْبَدَائِعِ إنَّهُ الصَّحِيحُ نَظَرًا إلَى قَوْلِه تَعَالَى ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ من سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عليه رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إلَّا ما آتاها﴾ (الطلاق:٧) وَاسْتَدَلَّ فى الْهِدَايَةِ لِاعْتِبَارِ حالهما بِحَدِيثِ هِنْدَ فإنه اُعْتُبِرَ حَالَهُمَا وَأَمَّا النَّصُّ فَنَقُولُ بِمُوجِبِهِ إنه مُخَاطَبٌ بِقَدْرِ وُسْعِهِ وَالْبَاقِى دَيْنٌ فى ذِمَّتِهِ وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ عَمِلَ بِالْآيَةِ وَالْحَدِيثِ.

وَاتَّفَقُوا على وُجُوبِ نَفَقَةِ الْمُوسِرَيْنِ إذَا كَانَا مُوسِرَيْنِ وَعَلَى نَفَقَةِ الْمُعْسِرَيْنِ إذَا كَانَا

مُعسِرَيْنِ وَإِنَّمَا الِاخْتِلَافُ فِيمَا إِذَا كان أَحَدُهُمَا مُوسِرًا وَالْآخَرُ مُعْسِرًا فَعَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ الِاعْتِبَارُ لِحَالِ الرَّجُلِ فَإِنْ كان مُوسِرًا وَهِيَ مُعْسِرَةٌ تَجِبُ عليه نَفَقَةُ الْمُوسِرِينَ وَلَا يَجِبُ عليه أَنْ يُطْعِمَهَا مِمَّا يَأْكُلُ لَكِنْ قال مَشَايِخُنَا يُسْتَحَبُّ له أَنْ يُؤَاكِلَهَا لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِحُسْنِ الْعِشْرَةِ مَعَهَا وَذَا فى أَنْ يُؤَاكِلَهَا لِتَكُونَ نَفَقَتُهَا وَنَفَقَتُهُ سَوَاءً وَإِنْ كان مُعْسِرًا وَهِيَ مُوسِرَةٌ وَجَبَ عليه نَفَقَةُ الْمُعْسِرِينَ لِأَنَّهَا لَمَّا تَزَوَّجَتْ مُعْسِرًا فَقَدْ رَضِيَتْ بِنَفَقَةِ الْمُعْسِرِينَ وَأَمَّا على المفتى بِهِ فَتَجِبُ نَفَقَةُ الْوَسَطِ فى الْمَسْأَلَتَيْنِ وَهِيَ فَوْقَ نَفَقَةِ الْمُعْسِرَةِ وَدُونَ نَفَقَةِ الْمُوسِرَةِ ...... وفى غَايَةِ الْبَيَانِ إنه إذَا كان مُعْسِرًا وَهِيَ مُوسِرَةٌ وَأَوْجَبْنَا الْوَسَطَ فَقَدْ كَلَّفْنَاهُ بِمَا ليس فى وُسْعِهِ فَلَا يَجُوزُ وهو غَفْلَةٌ عَمَّا فى الْهِدَايَةِ كما قَدَّمْنَاهُ من أَنَّهُ مُخَاطَبٌ بِقَدْرِ وُسْعِهِ وَالْبَاقِي دَيْنٌ فى ذِمَّتِهِ.

یوفون کمپنی کی اسکیم کا حکم:

سوال: یوفون کمپنی اپنے صارف کو پندرہ روپے کا قرض دیتی ہے پھر جب صارف بیلنس ڈلواتا ہے تو کمپنی پندرہ روپے ساٹھ پیسے کاٹتی ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ ٹیکس ہے، آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ یہ سود تو نہیں بن جاتا؟ (شاکر۔ سانگھڑ)

جواب: اس اسکیم کے بارہ میں تاحال ہماری رائے یہ ہے کہ یہ منفعت کے مقابلہ میں منفعت کا اجارہ ہے، اس لیے جائز نہیں، تاہم اگر مزید تحقیق کے نتیجہ میں کوئی اور رائے سامنے آئی تو ان شاء اللہ اس کو دوبارہ شائع کیا جائے گا۔

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]